سہیل حمید صاحب

30

سلسلہ مطبوعات ۳۰

ولی اللہی نظامِ فکر

(پس منظر اور اجمالی تعارف)

مولانا عبدالخالق آزاد

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

۱

باسمہ تعالی

حرف اول

دنیائے انسانیت میں کئی مفکرین آئے اور انہوں نے اپنے اپنے انداز میں حالات کو دیکھا اور پرکھا، پھر اپنے افکار کا تانا بانا بنا اور، اکثر کی کاوشیں صفحۂ قرطاس پر بکھر کر رہ گئیں، کچھ ایسے بھی ہوئے جو دنیا کے دھارے کی تبدیلی کا محرک بنے، لیکن کچھ عرصہ بعد ان کی فکر بھی زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکی۔

آج دنیا پر امریکہ و یورپ کی مادی ترقیات کا ہی غلبہ نہیں بلکہ فکر و فلسفہ کے میدان میں بھی دنیا ان کی خوشہ چینی کرتی نظر آتی ہے، بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ فکر و عمل کے سرچشمے صرف یورپ و امریکہ میں ہی پھوٹتے ہیں لیکہ یہ احساس ذہنی مرعوبیت اور پروپیگنڈے کے بل بوتے پر قائم ہے۔ حقائق کی دنیا اس سے مختلف ہے، بس اسے دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی دنیا کی ایک خوشگوار حقیقت ولی اللہی نظام فکر کا وہ ٹھوس وجود ہے جو اس امر کی علامت ہے کہ براعظم ایشیاء اور بالخصوص برعظیم ہند کا ایک مفکر انسانی فطرت کا ایسا کامیاب نباض ہے کہ اسے دنیا سے گئے ہوئے تو دو صدیوں سے زائد کا عرصہ بیت گیا لیکن اس کے افکار کی تابانی نہ صرف ماند نہیں پڑی بلکہ ہر آنے والا لمحہ اس کے تجزیہ و تجویز کی صداقت پر اپنی مہر تصدیق ثبت کررہا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ امام شاہ ولی اللہ کے افکار سے نہ صرف آگاہی حاصل کی جائے بلکہ ان کی روشنی میں سماجی نظام کی تشکیل نو کی روشن راہ بھی اپنائی جائے۔

زیر نظر مقالہ میں مفتی عبدالخالق آزاد صاحب نے امام شاہ ولی اللہ کے افکار کے پس منظر کو پیش کرکے اس حقیقت کو آشکارا کیا ہے کہ شاہ صاحب محض مذہبی مصلح ہی نہیں بلکہ ایک سماجی مفکر بھی تھے، بعد ازیں انہوں نے ولی اللہی نظام فکر کے بنیادی خدوخال کی جانب متوجہ کرکے قارئین کو اسپر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ شاہ صاحب کی اس فکری جامعیت کے حوالہ سے دیگر عصری مذہبی تحریکات کا جائزہ لیں۔ تاکہ خیالات کی دنیا اور حقائق کے ماحول کے امتیازات سے واقف ہوسکیں اور معروضی انداز فکر اپنا کر دنیائے عمل میں انقلاب کے چراغ جلائیں۔

چیئرمین

نام پمفلٹ :- ولی اللہی نظام فکر پس منظر اور اجمالی تعارف
تحریر :- مولانا عبدالخالق آزاد
طبع اول :- ستمبر ۱۹۹۳ء
ناشر :- شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن
پوسٹ بکس نمبر ۳۶۳
ملتان

مضامین ایک نظر میں

ابتدائیہ
ولی اللہی نظام فکر کا پس منظر
ہندوستانی سماج کے متعلق امام دہلوی کا تجزیہ
(۱) اجتماعی اور قومی سوچ کی بجائے ذاتی مفاد پرستی کا غلبہ
(۲) ذاتی مفاد پرستی کے نتیجہ میں طبقاتی تقسیم
(۳) طبقاتی تقسیم کے نتیجہ میں دنیاوی اور اخروی سعادت سے محرومی
(۴) انسانیت کے طبعی تقاضوں سے انحراف کا فتنہ
(۵) پورے سماجی نظام کی فرسودگی
(۶) انگریزوں کی چیرہ دستیاں
× خلاصۂ بحث
شاہ ولی اللہ کے فکر کا تعارفی جائزہ
(الف) ولی اللہی فکر کا اساسی فلسفہ
× شاہ صاحب کا فلسفۂ اجتماعیت
× سماجی وحدت کی اہمیت
(ب) ولی اللہی نظام فکر کے بنیادی نکات
(۱) حیات اجتماعی کی اہمیت
(۲) حیات اجتماعی کے چار مراحل اور ان کی اہمیت
(۳) معاشی عدم توازن کے خاتمے کے لئے "تعاون باہمی" کا اصول

(۴) اقترابات کی ضرورت
(۵) دینی اخلاقیات اور معاشی اخلاقیات کا باہمی تعلق
(۶) انسانیت کی طبعی تقاضوں کی اصلاح کے چار طریقے
(۷) دین میں اجتماعی سیاست کی اہمیت
(۸) تبدیلی نظام کا انقلابی تصور
(۹) جہاد کی اہمیت
خلاصۂ بحث
آخری گذارش
حوالہ جات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

ہر ایک سماج میں رائج نظام، کسی نہ کسی نظریے اور فکر پر مبنی ہوتا ہے۔ فکری بنیادوں کے بغیر، کوئی نظام بھی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہا کرتا۔ گویا انسانی سماج کے لئے نظریہ اور فکر کی ناگزیریت ایک اٹل حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کائنات رنگ و بو کی خالق ذات نے، انسانیت کے فطری ارتقاء کے لئے ایک ایسا دینِ متین عنایت فرمایا، جو سماجی زندگی کو صحیح فکری اساس اور بنیاد فراہم کرتا ہے، اور پھر اسی فکر اور نظریے کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے انسانی زندگی کی ہمہ جہتی تعمیر کچھ اس طرح سے کی کہ جس سے پوری انسانیت نے اپنے فطری اور سماجی ارتقاء میں بھرپور فائدہ اٹھایا۔

زمانے کا تغیر ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ جس کا انکار ممکن نہیں لحظہ لحظہ بدلتے زمانے کا تقاضا ہوتا ہے کہ سماجی زندگی کے دائرہ میں جو جدید مسائل پیدا ہوچکے ہیں ان کا حل تلاش کیا جائے، چنانچہ دینی فکر بھی دور کے اس تقاضے سے باہر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہر دور کے بدلتے تقاضوں کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے، ہر سو سال کے شروع میں ایسے لوگ بھیجے گا "من یجدد لھا دینھا" جو اس (امت) کے لئے دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے"(۱)

اس ارشاد نبوی سے واضح ہوا کہ ہر دور کے لئے مجدد کا ہونا ضروری ہے، تاکہ مُرورِ زمانہ سے دین کے عملی نفاذ کی راہ میں جو رکاوٹیں پیدا ہوچکی ہیں انہیں دور کیا جائے، اور دینی فکر اپنی تمام تر تازگیوں اور لطافتوں کے ساتھ نکھر کر سامنے آجائے، اور یوں اس کی سحر انگیز نکہتوں سے پوری انسانیت معطر ہوجائے، اور

اس کے فطری ارتقاء کا سفر جاری رہے۔ اس حوالے سے اگر امام شاہ ولی اللہ کے عظیم کام کو دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ وہ نہ صرف ایک دور کے مجدد ہیں بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے پیش آمدہ حالات میں انہوں نے ایسی ٹھوس اور مضبوط فکری بنیادیں فراہم کی ہیں کہ ان کی روشنی میں الجھے ہوئے جدید مسائل کو بحسن و خوبی حل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب کو اپنی فکر کی مسلمہ اہمیت اور اپنی حیثیت کا بخوبی احساس تھا، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی اس حیثیت کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

" و لما تمت دورة الحكمة البسنى الله سبحانه خلعة المجددية"

جب حکمت کا مرتبہ میرے لئے مکمل ہوگیا تو اللہ سبحانہ تعالی نے مجھے مجددیت کی خلعت (انعام) سے نوازا"(۲)

بلاشبہ شاہ صاحب کے مجددانہ فکری اور عملی کام نے ہندوستان میں بسنے والے انسانوں کی فکری، سیاسی اور معاشی زندگی پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، یہاں کے لوگوں پر ان کا بہت بڑا احسان ہے، جس کا انکار ممکن نہیں، آج ہماری زندگی میں دین متین جس شکل میں محفوظ ہے، وہ دراصل ولی اللہی جماعت کے مجددانہ کام کی بدولت ہی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ برا عظم (پاک، ہند و بنگلہ دیش) اور اس کے اطراف و اکناف میں جتنے لوگ بھی صحیح دینی مزاج رکھنے والے ہیں ان کے علم و فکر کا سلسلۂ سند امام شاہ ولی اللہ دہلوی سے ہی جاملتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کی سیاسی، سماجی، مذہبی اور فکری زندگی پر شاہ ولی اللہ کے جاندار فکر اور کردار کی پرچھائیاں اتنی گہری اور دور رس ہیں کہ کوئی متعصب آدمی بھی اس کی واقعیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ یہاں کے ہمہ جہتی حالات کا انسانیت کے حوالے سے بغور جائزہ لینا، مذہبی، سیاسی، سماجی اور معاشی نظام میں پیدا ہونے والی خرابیوں کا صحیح ادراک کرنا، اور پھر ان کے انسداد کے

لئے ایک مکمل نظام فکر تجویز کرنا، اور اس فکر پر ایک بھرپور عملی تحریک و جدوجہد کی بنیاد رکھنا، یہ سب ایسے اہم امور ہیں کہ جنکا انکار نہیں کیاجاسکتا۔

خود شاہ صاحب کو "علی منہاج النبوۃ" ترتیب دی ہوئی اپنی فکر کی قدر و قیمت اور اسکی بھرپور صداقت کا اتنا یقین تھا کہ ان کے خیال میں جس نے بھی ان کے فکری و عملی کام سے دشمنی رکھی وہ واضح طور پر خسارے اور نقصان میں رہے گا، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

"شاید تم مجھے نہیں جانتے، میرے سر پر تاج ہے اور ہاتھ میں تلوار ہے (بیدی السیف) میرا دل انتہائی بردبار اور زبان انتہائی شیریں ہے (ایھا البشر) اے لوگو! خدا کی طرف رجوع کرو، "اصلحوا ذات بینکم، لاتباغضوا و لاتدابروا" آپس میں امن و صلح سے رہو، ایک دوسرے کے خلاف بغض و عداوت نہ رکھو، اور نہ ہی ایک دوسرے کی جڑیں کاٹو، "فان من عادانی فقد خسر خسرانا مبینا" یاد رکھو! جس نے میرے (نظریات کے) ساتھ دشمنی رکھی یقیناً وہ خسارے اور نقصان میں رہے گا"(۳)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے بحیثیت مجموعی شاہ صاحب کے فکر کی اہمیت کا صحیح ادراک نہیں کیا، اور آج ہم دنیا کے باطل نظاموں کے سامنے نہایت ذلت کے ساتھ سر بسجود ہیں۔ ہمارا قومی اور اجتماعی وجود فنا کے گھاٹ اتر چکا ہے۔ ہر فرد اپنی جگہ مسائل کا شکار ہے۔ ذلت و افلاس کو اس نے اپنا مقدر بنالیا ہے۔ سماج سے متعلق الجھے ہوئے سلگتے مسائل ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ اگر ہم شاہ صاحب کے پورے فکر پر اجتماعی حیثیت میں بھرپور طریقے سے عمل کرتے، یقیناً ہماری کامیابی کی جہتیں دوسری ہوتیں، اور مجموعی طور پر ہم کسی بھی قوم سے کسی طرح پیچھے نہ ہوتے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سیاسی، سماجی اور معاشی حوالے سے شاہ ولی اللہ کے افکار اتنے بلند پایہ اور اعلیٰ معیار کے ہیں کہ آج بھی دنیا ان کی تابناکی اور اہمیت کو

بجاطور پر محسوس کررہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مادی نظام ہائے حیات جو غیرمذہبی بنیادوں پر قائم ہیں کا مقابلہ صحیح معنی میں اگر کوئی فکر و نظریہ کرسکتا ہے تو وہ شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کی جماعت کا دینی فکر ہے۔ اس فکر میں جدید دور کے حوالے سے ایسی بنیادی راہنمائی مل جاتی ہے، جس پر چل کر اپنی سماجی زندگی میں ہمہ جہتی تبدیلی پیدا کرنا ممکن ہوجاتا ہے۔

ان حالات میں دین متین کی روشنی میں تیارشدہ ولی اللہی نظام فکر کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے، آج ہمارے مسائل کا حل اگر کسی نظام فکر میں ہے تو وہ یہی فکر ہے۔ لہذا آج کے باشعور نوجوانوں بلکہ تمام سمجھدار انسانوں کو، دوسرے باطل افکار و نظریات سے ہٹ کر اپنی سوچوں کا محور و مرکز اسی فکر کو بنانا چاہیئے۔

ولی اللہی نظام فکر کی اہمیت مسلم ہوجانے کے بعد آیئے! دیکھتے ہیں (۱) یہ فکر کس پس منظر میں وجود پذیر ہوئی؟ وہ کیا حالات تھے جو اس کے وجود کا باعث بنے تھے؟ (۲) یہ بھی معلوم کریں کہ اس فکر کے بنیادی خدوخال اور بنیادی نقاط کیا ہیں کہ جن پر اس نظامِ فکر کی پوری عمارت تشکیل دی گئی ہے؟ تاکہ ہم پوری بصیرت اور شعور کے ساتھ اس فکر کی گہرائیوں کو سمجھ سکیں، اور اپنی عملی زندگی میں اس سے بھرپور راہنمائی حاصل کرسکیں۔ (مؤلف)

ولی اللہی نظام فکر کا پس منظر

ہر ایک فکری نظام کا ایک خاص پس منظر ہوتا ہے کچھ معروضی حقائق ہوتے ہیں، کچھ سماجی ضروریات اور تقاضے ہوتے ہیں، جو مفکر کے فکر کی ترتیب کا باعث بنتے ہیں، ولی اللہی نظام فکر کو سمجھنے اور اس کے تاریخی تسلسل کی اہمیت معلوم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے پس منظر میں جھانک کر دیکھا جائے کہ وہ کیا حالات و تقاضے تھے کہ جن سے متاثر ہو کر امام شاہ ولی اللہ نے امت میں سماجی انقلاب کے لئے اس فکری نظام کو مرتب فرمایا؟ اس سے جہاں یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ ہمیں اس دور کے معروضی حقائق کی روشنی میں شاہ صاحب کی فکری کاوشوں کو سمجھنے میں مدد ملے گی، وہاں یہ فائدہ بھی کسی طرح بھی کم نہیں کہ اگر ہمارے سماجی اور اجتماعی حالات اسی ڈگر پر چل رہے ہیں، یعنی جو خرابیاں ہمیشہ سے سماجوں کی اجتماعی ساخت کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہیں، اگر وہی گھن آج ہماری سماجی جڑوں کو لگ گیا ہے تو ان حالات میں شاہ صاحب کا فکری نظام ہمارے لئے کس حد تک سود مند ہوسکتا ہے یقیناً اگر مرض وہی ہے تو نسخہ کیمیا لامحالہ پورا پورا فٹ آئے گا، اور جب شعوری طور پر ہمیں اس فکری نظام کی اہمیت معلوم ہوگی، تو سماجی زندگی کو اس کی روشنی میں استوار کرنے کی، فکر دوچند ہوجائے گی۔

شاہ صاحب نے جب شعور کی آنکھ کھولی، اور اس دور کے حالات پر نظر ڈالی تو انہیں پتہ چلا کہ تقریباً سات سو سالہ مسلم نظام سلطنت، جس نے ہندوستانی سماج کو بڑی حسن و خوبی سے منظم کر کے مضبوط بنیادوں پر استوار کیا تھا اورنگ زیب عالم گیر جیسے مدبر اور منتظم بادشاہ کی وفات کے بعد انتشار کا شکار ہے، سماج کے کل پرزے اپنے اپنے مقامات سے ہٹ رہے ہیں، سماج کی وہ کمزوریاں جو عرصہ

دراز سے معمولی حالت میں چلی آرہی تھیں، اور جو مضبوط اعصاب و فکر والے بادشاہ اور اس کی جماعت کے حسن فکر و انتظام کی وجہ سے دبی دبی سی تھیں اب اپنا اثر دکھا رہی تھیں، اس طرح سماج کھوکھلا ہو کر تباہی کے کنارے پر پہنچا ہوا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی چیز ہے جو گھن کی طرح اسے چاٹ رہی ہے، کوئی مرض ہے، جس نے اسے بے چین کیا ہوا ہے، کوئی خرابی ہے، جس کی وجہ سے پورا معاشرہ تلپٹ ہوچکا ہے۔

ہندوستانی سماج کے متعلق امام دہلوی کا تجزیہ

شاہ صاحب چونکہ اس دور کے حکیم اور مجدد تھے لہذا ان خرابیوں پر سکوت اختیار کر کے گوشہ نشین نہیں ہوسکتے تھے، جیسا کہ آج کل بعض مذہبی گروہوں نے زندگی کے سماجی تقاضوں سے صرف نظر کر کے اور معاشرتی اور معاشی خرابیوں کو نظر انداز کر کے محض چند مخصوص عبادات کو پھیلانے کا بیڑہ اٹھالیا ہے، بلکہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے انبیاء کرام کے حقیقی وارث کی حیثیت سے انسانیت کے اجتماعی درد و کرب کو بجا طور پر محسوس کیا اور سماج کی ان کمزوریوں اور خرابیوں کا پتہ چلانے کے لئے انتہائی دلسوزی سے جدوجہد کی، اور گہرائی میں جا کر پوری ذمہ داری کے ساتھ علمی (SCIENTIFIC) بنیادوں پر تجزیہ کیا۔ شاہ صاحب نے معروضی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے سماج کا جو تجزیہ فرمایا اس کے چیدہ چیدہ نکات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اجتماعی اور قومی سوچ کی بجائے ذاتی و گروہی مفاد پرستی کا غلبہ

شاہ صاحب نے سماجی خرابیوں کا جائزہ لیا، تو انہیں محسوس ہوا کہ کسی سماج کی اساس و بنیاد جس نقطے پر قائم ہوتی ہے، یعنی قومی اور اجتماعی تقاضوں کو ملحوظ رکھنا، وہی ڈھے جارہی ہے۔ قوم کے افراد میں اجتماعی اور قومی تقاضوں سے

رو گردانی کے جذبات پروان چڑھ رہے ہیں، اور ذاتی و گروہی مفاد پرستی کا غلبہ ہوتا جارہا ہے، خاص طور پر قومی خزانے کے حوالے سے صورتحال انتہائی دگرگوں ہے۔ ہر فرد کسی نہ کسی طرح "ذاتی مال" بنانے کے چکر میں ہے۔ جس سے سماج کے بنیادی ڈھانچے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ چنانچہ اس تشویش ناک صورتحال کی عکاسی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"اس زمانے میں ملکوں کی خرابی کی دیگر اسباب کے علاوہ، ایک بڑا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے قومی خزانے کو مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعے لوٹنا شروع کردیا ہے، اور اس لوٹ کھسوٹ کو ہی اپنی کمائی کا دھندہ بنالیا ہے، کچھ لوگ ہیں جو غازی اور مجاہد بن کر اسے لوٹ رہے ہیں، اور بعض اپنے آپ کو علماء کی حیثیت سے قومی خزانے کا مستحق سمجھتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو حکمران طبقات سے بخشش اور انعام واکرام کے نام سے لوٹ رہے ہیں۔ جیسے نام نہاد صوفی، شاعر اور ادیب لوگ ہیں۔ اور باقی لوگ بھی مختلف حیلوں بہانوں سے قومی خزانے کو حاصل کرنے کے لئے سرگرداں ہیں

"و یکون العمدة عندهم هو التکسب دون القیام بالمصلحة"

ان کے خیال میں سب سے اچھی بات یہ ہے کہ انہوں نے اسی کام کو اپنی کمائی کا پیشہ بنایا ہوا ہے قطع نظر اس کے کہ قومی اور اجتماعی مصلحتیں پوری ہوتی ہیں یا نہیں؟ "فیدخل قوم علی قوم فینغضون علیهم" (ذاتی ہوس پرستی کا عالم یہ ہوگیا ہے کہ) ایک گروہ دوسرے گروہ پر حملہ آور ہوتا ہے اور اسے تنگ کرتا ہے"(۴)

شاہ صاحب کے اس تجزیہ سے یہ معلوم ہوا کہ اس دور میں سماج کا ہر فرد اجتماعیت کو چھوڑ کر انفرادی مفادات کے پیچھے لگ گیا تھا۔ گویا انفرادی مفاد پرستی اس سماج کا سب سے بڑا روگ تھا ہر فرد اس مرض میں مبتلا تھا، کوئی طبقہ اور گروہ اس جان لیوا بیماری سے بچا ہوا نہیں تھا، اور تو اور علماء، درویش اور زاہدوں کا

وہ گروہ جن کا مقصد سماج کی فکری اور اخلاقی روشوں کو سدھارنا ہوتا ہے تاکہ سماجی اور اجتماعی ذوق ہر فرد میں پیدا ہو وہ بھی اس رو میں بہہ کر ذاتی اغراض کے بندے بن چکے تھے۔ اور انہوں نے اس لوٹ کھسوٹ میں حصہ لینا شروع کردیا تھا اور کیوں نہ ہوں؟ جب امراء اور بادشاہ انفرادی مفاد پرستی میں پڑ کر عیاش بن جائیں تو پھر ہر طبقہ اس قسم کی عیاشی میں پڑجاتا ہے، اس لئے یہ مقولہ بالکل صحیح ہے کہ "الناس علی دین ملوکھم" عوام اپنے حکمرانوں کے طرز زندگی پر ہوتے ہیں جس طرح کا انفرادی ہوس پرستی کا ماحول حکمران پیدا کریں گے ویسے ہی اثرات مرتب ہوں گے۔

۲- ذاتی مفاد پرستی کے نتیجہ میں طبقاتی تقسیم

دوسرا نکتہ جس کی طرف شاہ صاحب نے توجہ دلائی وہ یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی نظام ایک عرصہ تک خوشحالی، اور امن و سکون کے ساتھ اجتماعی زندگی کی شاہراہ پر گامزن رہتا ہے تو معاشرے کے مقتدر طبقات اپنے اختیارات و اعزازات کا ناجائز استعمال کرتے ہیں، اور انفرادی مفادات پر مبنی رجحانات کو ابھارتے ہیں، اور انہیں عملی طور پر تقویت پہنچاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں سماج کی اکثریت کے حقوق پر زد پڑتی ہے، اور یوں ان کے حقوق سلب ہونے لگتے ہیں، اس طرح انفرادی مفاد پرستی کا رجحان رکھنے والے مقتدر طبقات اپنی من مانیاں کرکے معاشرہ کو اپنے ظلم و استحصال کا شکار بنالیتے ہیں، اور اکثریتی طبقہ معاشی اعتبار سے نڈھال ہوجاتا ہے، خصوصا وہ لوگ جو اپنی محنت و مشقت کے ذریعے پورے معاشرے اور سماج کے لئے معاشی پیداوار کا سبب بنتے ہیں، تباہ و برباد ہوجاتے ہیں اور مقتدر طبقات اپنے ذاتی فوائد حاصل کرنے کے لئے ان محنت کشوں پر طرح طرح کے ٹیکس اور تاوان لگاتے ہیں۔ جس سے ان کی رہی سہی کسر بھی پوری ہوجاتی ہے، چنانچہ شاہ صاحب کے الفاظ میں اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

"عصر حاضر کے ملوک و سلاطین اور والیان ریاست کی عیاشیوں کو دیکھ کر تم ان (قیصر و کسریٰ) کی عیاشیوں اور زندگی کی لذات میں حد سے بڑھنے کا اندازہ لگا سکتے ہو، عیش پرستی کا یہ طریقہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا، جس کی وجہ سے پورے تمدن اور معاشرہ میں ایک لاعلاج روگ پیدا ہو گیا تھا، رعیت کے ہر طبقہ میں اپنی حیثیت کے موافق عیاشی کا مرض پھیل گیا تھا، اور اس نے وبائے عام کی صورت اختیار کرلی، اس عیاشی کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ قسم قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہوگئے۔ اس لئے کہ عیاشانہ زندگی بسر کرنے کے لئے جس سازوسامان کی ضرورت تھی اسکا حصول بہت سی دولت خرچ کئے بغیر ناممکن تھا، اس لئے ان ملوک و سلاطین نے محنت کش طبقات یعنی کسانوں اور تاجروں پر بھاری ٹیکس لگادیئے، اگر وہ دینے سے انکار کرتے تو انکو مارا پیٹا جاتا اور سخت عذاب دیا جاتا، اس طرح ان کے سامنے دوسرا راستہ ہی رہ گیا کہ وہ سلاطین اور سرمایہ داروں کی اطاعت سے منہ نہ موڑیں، چوپایوں اور گدھوں کی سی ذلیل زندگی بسر کریں، جن سے ان کی مرضی کے بغیر ہل چلانے اور کنویں سے پانی نکالنے کا کام لیا جاتا ہے، اور جن کی تھوڑی بہت پرورش یا غور و پرداخت صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ مالکوں کی اپنے اغراض ان کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ بہرحال نچلے طبقے کے لوگ اپنے حکمرانوں اور آقاؤں کی خدمت میں اس قدر مشغول ہوتے تھے کہ انکو اخروی سعادت کی طرف متوجہ ہونے کی لحہ بھر بھی فرصت نہیں ملتی تھی" (۵)

شاہ صاحب کی اس مندرجہ بالا عبارت کے علاوہ اور دوسرے تاریخی شواہد اور دلائل سے یہ بات اب پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس زمانہ میں ہندوستانی سماج پر اجتماعیت کے بجائے انفرادی ہوس کے بادل منڈلا رہے تھے اور اجتماعی مفادات کو انفرادی خواہشوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا جارہا تھا، اور ظاہر ہے کہ جب کسی جگہ، ذاتی مفادات پورے کرنے کی کھلی چھٹی مل جائے، تو پھر "جس کی لاٹھی، اس کی بھینس" والا قانون نافذ ہوجاتا ہے۔ جس کے پاس دولت کی طاقت ہو، وہی

بڑا بن بیٹھتا ہے اور جو بے چارہ کسی طرح بھی کمزور رہ جائے، وہ پس کر رہ جاتا ہے، اور ظلم کا شکار ہوجاتا ہے، الغرض معاشرہ دو مختلف طبقات میں بٹ چکا تھا، ایک وہی مفاد پرست اور مقتدر ٹولہ، جو ناجائز طریقہ پر کمزوروں اور غریبوں کا استحصال کرکے اپنی عیاشی کے لئے زمین ہموار کرتا تھا، اور دوسرا مظلوم طبقہ جو ملک کی اکثریتی طاقت ہونے کے باوجود ظلم و استحصال کا شکار تھا، جو بیلوں اور گدھوں کی طرح دن رات کام میں جتا ہوا تھا۔

۳۔ طبقاتی تقسیم کے نتیجے میں دنیاوی اور اخروی سعادت سے محرومی

تیسرا نکتہ جس کی طرف شاہ صاحب نے توجہ دلائی وہ یہ کہ جب کسی معاشرہ میں طبقاتی تقسیم قائم ہوجاتی ہے، یعنی ایک طبقہ امیر سے امیر تر، دوسرا غریب سے غریب تر، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ بحیثیت مجموعی آخرت کی فکر سے غافل ہو کر دین کا انکار کردیتا ہے۔ غریب طبقہ تو اس لئے آخرت کی فکر سے غافل ہوتا ہے کہ ظالمانہ نظام کے ناجائز مطالبات اور سرمایہ داروں کے ظلم کی وجہ سے ہر وقت محنت و مشقت میں مصروف رہتا ہے، ظالم سماج اس کو اتنی فرصت نہیں دیتا کہ وہ اتنا وقت نکال سکے کہ جس میں وہ اپنے اللہ کو یاد کرلے، اور آخرت کی فکر پیدا کرلے، چنانچہ شاہ صاحب کی یہ عبارت، اس حقیقت کو بڑے واشگاف الفاظ میں واضح کرتی ہے۔ فرماتے ہیں:

"پس اگر مظلوم لوگ (ظالمانہ ٹیکس ادا کرنے) سے انکار کریں تو انہیں مارا جائے اور سزائیں دی جائیں اور اگر وہ اطاعت کریں تو انہیں گدھے اور بیل کی طرح بنالیا جائے، جو آب پاشی کرنے، ہل جوتنے اور اناج کی کٹائی کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں، اور ان کی تھوڑی بہت دیکھ بھال صرف اس وجہ سے کی جاتی ہے (تاکہ زندہ رہ کر) ان کی حاجات پوری کرتے رہیں، پھر ان کو محنت اور مشقت سے ایک

گھڑی بھی آرام کا موقع نہیں دیاجاتا یہاں تک کہ یہ لوگ سعادت اخرویہ کی طرف بالکل توجہ نہیں دے پاتے اور نہ ہی یہ اس قابل رہتے ہیں

(حتی صاروا لایرفعون رؤسهم الی السعادة الاخرویة اصلاً، و لایستطیعون ذلک)"(٦)

دوسری طرف عیاش طبقہ، اپنی عیاشی اور دنیاوی زندگی کے انہماک میں آخرت کو بھول جاتا ہے اور تکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور دین کا انکار کردیتا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"فاضوا فی لذة الدنیا و نسوا الدار الاخرة، واستحوذ علیهم الشیطان تعمقوا فی مرافق المعیشة و تباهوا بها

وہ (مقتدر طبقات و سرمایہ دار) دنیا کی لذتوں میں ڈوب گئے، اور آخرت کو بھول گئے، شیطان نے ان پر اپنا تسلط جمالیا، یہ لوگ اپنی معاشی زندگی کی عیاشیوں میں غرق ہوگئے، اور اس پر فخر کرنے لگے"(٧)

طبقاتی تقسیم کے اس ظالمانہ کردار کی وجہ سے، معاشرے کا ہر فرد دین سے دور ہوجاتا ہے، اور یوں پورا معاشرہ دین بیزاری کی لعنت میں گرفتار ہوجاتا ہے، اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ شاہ صاحب کے الفاظ میں "وربما کان اقلیم واسع لیس فیهم احد یهمه دینه" یعنی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک بڑے ملک میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں ہوتا کہ جو اپنے دین کی فکر کرے"(٨)

۴۔ انسانیت کے طبعی تقاضوں سے انحراف کا فتنہ

سماج کا تجزیہ کرتے ہوئے، چوتھی چیز جس پر شاہ صاحب کی نظر پڑی وہ یہ تھی کہ معاشی عدم توازن کی نتیجے میں جب دینی اقدار کسی سماج سے ختم ہوجاتی ہیں تو پھر ایک فتنہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ لوگ انسانی فطرت کے طبعی تقاضوں سے منحرف ہوجاتے ہیں اور وہ بھی دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں ایک گروہ تو وہ ہوتا

ہے جس کا مزاج کسی نہ کسی درجہ میں دینی سا اور زاہدانہ سا ہوتا ہے، یہ لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ عام طور پر ہر آدمی معاشی تگ و دو میں لگا ہوا ہے، ہر وقت روزی کے چکر میں پڑا ہوا ہے، تو اس برے معاشی نظام کو تبدیل کرنے کے بجائے سرے سے ہی اس معاشی کسب و اکتساب کو دین سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو ملکوتی صفات اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، اور روزی کمانے کو "کمینی دنیا" کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ انسانیت کے طبعی تقاضوں سے منحرف ہو جاتے ہیں، دوسرا گروہ جس کا مزاج دینی نہیں ہوتا یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اس برے اقتصادی اور معاشی نظام میں پھنس کر قبائے انسانیت کو حیوانیت کے پاؤں تلے تار تار کر چکے ہوتے ہیں، اور یہ بھی انسانیت کے فطری تقاضوں کو نظر انداز کر کے خالص حیوانیت کی طرف چلے جاتے ہیں، چنانچہ شاہ صاحب اس حقیقت کو یوں رقم فرماتے ہیں:

(فتنۃ مستطیرۃ و ھی تغیر الناس من الانسانیہ) ایک عام فتنہ یہ بھی ہے کہ لوگ انسانیت اور اس کے تقاضوں سے روگردانی کریں، پس ان کے پاکیزہ اور زاہد ترین لوگ انسانیت کے طبعی تقاضوں (معاشی ضروریات وغیرہ) کی اصلاح کرنے کی بجائے، ان کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں، (الانسلاخ من مقتضیات الطبع رأساً دون اصلاحھا) اور ملکوتی مخلوق (مثلاً فرشتوں) کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ عام لوگ خالص حیوانیت کی طرف چلے جاتے ہیں" (۹)

گویا جب معاشرہ کے "پاکیزہ" اور "نیک صالح" لوگ انسانیت کے معاشی و معاشرتی سیاسی و سماجی تقاضوں کا سرے سے انکار کر کے فرشتوں جیسی خصلتوں کی طرف "دعوت" دینے لگیں، تو ظاہر ہے کہ باقی لوگ بھی حیوانیت کی طرف چلے جائیں گے، اب جو طاقتور اور مقتدر حیثیت کا حامل ہو گا وہ درندہ صفت حیوانوں کی طرح ظلم و استحصال کا بازار گرم رکھے گا، لیکن جو بے چارہ کمزور ہو گا، وہ ذلیل و رسوا ہو کر گدھے اور بیلوں والی حیوانیت کے درجہ پر چلا جائے گا، اور یہ نام نہاد

"پاکیزہ" لوگ زمین سے نیچے (قبر) اور آسمان سے اوپر (عالم ملکوت) کی باتیں کرتے رہیں گے، اور یوں معاشرہ میں سے انسان کی طبعی و فطری اقدار ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ اور پورا معاشرہ ایک عظیم فتنہ میں مبتلا ہو جائے گا۔

۵- پورے سماجی نظام کی فرسودگی

سماج کی مذکورہ بالا حالت دیکھ کر کوئی صاحب بصیرت آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سماج کسی صحیح اور درست نظام پر قائم ہے، بلکہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس سماجی جسم کا پورا نظام بالکل فرسودہ ہو چکا ہے، اب اس میں اتنی جان باقی نہیں رہی کہ یہ اس جسم کے بوجھ کو برداشت کر سکے، اسلئے کہ کسی بھی سماج میں رائج نظام، فکری، سیاسی اور اقتصادی بنیادوں پر ہی قائم ہوتا ہے جب اس کے یہ تینوں ستون بوسیدہ ہو جائیں تو پھر نظام کی خرابی اور فساد میں کوئی شک شبہ باقی نہیں رہتا۔

سیاسی نظام کے دیوالیہ پن کا اندازہ یوں لگائیے کہ حکمران طبقات ذاتی عیش و عشرت میں مبتلا ہو کر قومی و اجتماعی معاملات میں قوت فیصلہ جیسی اہم طاقت سے محروم ہو گئے تھے، چنانچہ شاہ صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اما تاحال صبح مشورتے می کنند، و شام آن را می شکنند" حالت یہ ہو گئی کہ صبح کو ایک مشورہ طے کرتے ہیں اور شام کو اسے توڑ دیتے ہیں" (۱۰)

جس کا نتیجہ شاہ صاحب کے الفاظ میں یہ نکلا کہ:

"واز سلطنت بجز نامی باقی نماند" نام کے سوا سلطنت کا اور کچھ باقی نہیں رہا" (۱۱)

غرض کہ شاہ کے زمانے میں ہندوستانی سماج، سیاسی طور پر تباہ و برباد ہو چکا تھا، اور شاہ صاحب کو یہ کہنا پڑا:

"سلطنتِ دہلی بمنزلہ لعب صبیان گشت" سلطنتِ دہلی بازیچہ اطفال (بچوں کا کھیل) بن گئی ہے" (۱۲)

معاشی اور اقتصادی حوالے سے بھی یہ نظام انتہائی خراب اور بوسیدہ ہو چکا

تھا، مقتدر طبقات کے ظلم و ستم نے عام آدمی کے لئے جینا دوبھر کردیا تھا، لوٹ کھسوٹ اور استحصال کا نہ ختم ہونے والا ایک طویل سلسلہ شروع تھا، اور لوگ معاشی ظلم کی چکی میں پس رہے تھے، چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"بانواعِ ظلم و ضیق معیشت گرفتار شدہ اند" طرح طرح کے ظلم اور معاشی تنگی میں لوگ گرفتار ہیں" (۱۳)

پھر اس سماج کا محض سیاسی و معاشی نظام ہی خراب نہ ہوا تھا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس نظام کے فکر و فلسفہ کو درست اور محفوظ رکھنے والی مذہبی اور دینی قیادت بھی غلط راستے پر پڑچکی تھی، اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہورہی تھی، اس کا اظہار شاہ صاحب نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

"ترون البلاد العظام تخلو عن العلماء، و ان کانوا فهم دون ظهور الشعائر"

تم دیکھتے ہو کہ بڑے بڑے شہر علماء سے خالی ہیں، اور اگر کچھ علماء موجود بھی ہیں تو وہ شعائر دینی کے غلبہ کی جدوجہد سے ماوراء ہیں" (۱۴)

خلاصہ یہ کہ پورا سماجی ڈھانچہ اور اس کا نظام بوسیدہ ہوکر فرسودگی کی آخری منزل کو پہنچ چکا تھا، اور انسانیت اس کے بوجھ تلے پڑی ہوئی، سسک رہی تھی، اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ بقول شاہ صاحب:

"کارد بہ استخواں رسید جائے ترحم است" (ظلم و ستم کا) چاقو (انسانیت کی) ریڑھ کی ہڈی تک پہنچ چکا ہے، قابل رحم حالت ہوچکی ہے" (۱۵)

حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے جارہے تھے، اور پورا معاشرہ داخلی طور پر تباہی کے کنارے پہنچتا جارہا تھا، اس نظام کی خرابیاں اب کھل کر سامنے آرہی تھیں، چنانچہ اس دور کی تاریخ بھی ان تمام حقائق کی نشان دہی کرتی ہے، جنہیں شاہ صاحب نے محسوس کیا اور سمجھا تھا۔

۶۔ انگریزوں کی چیرہ دستیاں

ہندوستان کے سماج میں شروع ہونے والی طوائف الملکو کی اور دوسری خرابیاں ہی کیا کم تھیں کہ کسی اور آفت کی ضرورت پڑتی، لیکن "مرے کو مارے شاہ مدار" کے مصداق، غیر ملکی سامراجی طاقتوں نے بھی یہ موقع غنیمت جانا اور انہوں نے کئی ہزار میل کا سفر طے کرکے تجارت کے دلفریب نام سے "اس سونے کی چڑیا" کو لوٹنے کا پروگرام بنایا، چنانچہ انگریز سامراج نے اپنے (MERCANTILISM) یعنی تجارتی نظریہ زر کو ہم پر مسلط کرنے کے لئے ہندوستان کے ساحلی علاقوں کا رخ کیا، اور آہستہ آہستہ پورے ساحلی علاقوں کو اپنے قبضے میں لے لیا، اور لوٹ مار کا بازار گرم کردیا، چنانچہ ۱۷۶۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی بنا کر، ہندوستان میں جو لوٹ کھسوٹ مچا رکھی تھی، یہ سب شاہ صاحب کی نظر میں تھی، انہیں صاف یہ معلوم ہورہا تھا کہ ایک طرف ملک کی حالت سماجی طور پر دگرگوں ہے، دوسری طرف غیر ملکی سامراج، آہستہ آہستہ پورے ملک کو اپنے ظالمانہ شکنجہ میں جکڑ رہا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"احوال مردم ہند، برما مخفی نیست کہ خود مولد و منشاء فقیر است، بلاد عرب نیز دیدم و احوال مردم ولایت افرنگ از ثقات اینجا شنیدم" ہندوستان کا حال ہم پر مخفی نہیں ہے اس لئے کہ وہ فقیر (شاہ صاحب) کا وطن ہے، عرب ممالک کو بھی دیکھا ہے اور انگلستان کے لوگوں کے حالات بھی، ثقہ آدمیوں سے اس (مکہ مکرمہ) سنے ہیں" (۱۷)

اس سے شاہ صاحب کی دُور بین نگاہ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ملک کے داخلی اور خارجی حالات پر آپ کی گہری نظر تھی۔

خلاصہ بحث

گذشتہ بحث و گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شاہ صاحب کے زمانے میں ہندوستانی سماج درج ذیل خرابیوں کا شکار تھا۔

۱) سماج کی اجتماعی ساخت، انفرادی ہوس پرستی کے نتیجہ میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی، اور سماج پر گروہیت اور انفرادیت کا غلبہ ہوچکا تھا۔

۲) ذاتی مفاد پرستی کے نتیجہ میں پورا سماج معاشی عدم توازن کا شکار ہوگیا تھا، اور دو متضاد طبقوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔

۳) معاشی عدم توازن کی وجہ سے ہر آدمی نان جویں کا محتاج ہو کر رہ گیا اور اس طرح دین سے دور ہوتا گیا۔

۴) ایک اور فتنہ یہ پیدا ہوا کہ لوگ انسانیت کے طبعی تقاضوں سے منحرف ہو کر فرشتہ صفتی اختیار کرنے لگے یا پھر حیوانیت میں ڈوبے رہے۔

۵) سماج کے اقتصادی نظام کی طرح اسکا سیاسی اور فکری نظام بھی فرسودہ اور بوسیدہ ہوچکا تھا۔

۶) غیر ملکی سامراجی طاقت کے حملے نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی تھی اور پورے ہندوستانی سماج کو لوٹ کر کنگال بنادیا گیا تھا۔

یہ تھے وہ حالات جن کے دباؤ کی وجہ سے، ہندوستانی سماج روبہ زوال تھا، انسانی قدریں ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں، حالات اس قدر سنگین ہوچکے تھے کہ کوئی آدمی بھی آگے بڑھ کر کوئی صحیح حل پیش کرنے سے قاصر تھا، خود شاہ صاحب پر ان حالات کا کس قدر اثر تھا اسکا اندازہ انکے ایک شعر سے ہوتا ہے۔

كان نجوما او مضت فى الغياهب
عيون الافاعى، او روس العقارب(۱۸)

ترجمہ: گویا کہ تاریکیوں میں جو ستارے چمک رہے ہیں، (مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے) کہ یہ ناگوں (سانپوں) کی آنکھیں یا بچھوؤں کے سر ہیں۔

لیکن شاہ صاحب چونکہ اپنے زمانے کے مجدد اور حکیم تھے اس لئے مایوسی اور ناامیدی کبھی بھی آپ کے قریب نہ آئی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ طوفان کے ہر تھپیڑے نے ان کی ہمت کو مزید بڑھایا، انہوں نے حالات گرد و پیش کا جائزہ

بھرپور سیاسی و سماجی بصیرت کے ساتھ لیا، زوال و انحطاط کے ہر ہر پہلو پر غور کیا، سماجی زندگی کے تقاضوں کو بخوبی سمجھا، اور پھر بڑی جرات کے ساتھ ایک ایسا فکر ترتیب دیا، جو ہر طرح کے افراط و تفریط سے پاک ہے، اور سماجی زندگی کو از سر نو صحیح بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے ایک ایسا وسیع نقشہ دیتا ہے کہ جس پر عمل کرکے ہر قوم دنیاوی اور دینی ترقی حاصل کر سکتی ہے۔

شاہ صاحب کو اپنی ترتیب دی ہوئی فکر کی درستگی اور صحت کا پورا یقین تھا، چنانچہ بڑی جرأت کے ساتھ اپنے اشعار میں اسکا اعلان فرماتے ہیں۔

تربصنا و دارینا الانام بوضعهم
فطابت مراقبنا و طاب الشمائل
و قال لنا انا ظهرنا بمظهر
فمن لم يطعنا فيه ماهو عادل

ترجمہ: "ہم موقع کی انتظار میں ہیں، ہم لوگوں کو ان کی (پرانی اور غلط) وضع سے ہٹائیں گے، خوش آئند ہے ہمارا اس طرح نگرانی کرنا، اور ہمیں اپنا یہ کردار پسند ہے، ہم سے کہا گیا کہ اللہ کے حکم سے ہم ہی غالب ہوں گے، جس نے اس سلسلہ میں ہماری اطاعت نہ کی، وہ عدل سے عاری ہے" (۱۹)

شاہ ولی اللہ کے فکر کا تعارفی جائزہ

گذشتہ سطور کے بیان سے شاہ صاحب کے زمانے کے حالات اور اس سلسلے میں ان کے احساسات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے، شاہ صاحب نے جس سیاسی و سماجی بصیرت سے سماج کا علمی تجزیہ کیا ہے، اس کی تفصیل بھی وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتی ہے، لیکن کسی مرض کی محض تشخیص کرلینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ مرض کے مطابق صحیح علاج تجویز کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، اس لئے شاہ صاحب نے سماجی زندگی کے بنیادی مرض کی نشاندہی کے بعد اس کی درستگی کے لئے ایک مکمل نظام فکر ترتیب دیا ہے جو آپ کی سیاسی، سماجی بصیرت کا شاہکار ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی کو جہاں دوسرے شعبوں میں رسائی حاصل تھی وہاں آپ کو سیاسی و سماجی بصیرت بھی بھرپور طریقے سے عطا ہوئی تھی، چنانچہ آپ اپنے اس وصف کا اظہار ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"علمنی ربی الحکمة العلمیة بها صلاح هذه الدورة بغایة التفصیل، و وفقنی لتشییدها بالکتاب و السنة و آثار الصحابة رضی الله عنهم"

اللہ پاک نے مجھے پوری تفصیل کے ساتھ ایسی حکمت عملیہ (سماجی سائنس) سکھلائی کہ جس سے اس دور کی اصلاح وابستہ ہے، اور مجھے اس بات کی توفیق دی کہ سماجی سائنس کے ان اصولوں کو کتاب و سنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار کی روشنی میں مزید مضبوط بنادوں" (۲۰)

شاہ صاحب نے اپنی اس سماجی اور سیاسی بصیرت کی روشنی میں سماج کی

مذکورہ بالا خرابیوں کا انتہائی گہری نظر سے جائزہ لیا، اور یہ محسوس کیا کہ سماجی بنیادوں کو تباہ کردینے والی ان خرابیوں کا تدارک کئے بغیر معاشرہ کی اصلاح ناممکن ہے، جب تک ہر ہر خرابی کا مکمل خاتمہ نہیں ہوجاتا، مجموعی طور پر نظام زندگی کسی طور درست نہیں ہوسکتا، اس کے لئے شاہ صاحب نے ایک مفصل پروگرام بنایا، اس طرح سماج سے متعلقہ شاہ صاحب کا پورا فکر "فکر ولی اللہی" کی شکل میں سامنے آیا جس کے بنیادی نکات اور اساسی فلسفہ درج ذیل ہے۔

(الف) ولی اللہی فکر کا اساسی فلسفہ

کوئی فکر محض فکر کے درجہ میں رہے اور اس کے پس پشت کوئی فلسفہ کارفرما نہ ہو تو آج کے عقلی دور میں (جہاں ہر فکر اپنا ایک مستقل فلسفہ رکھتا ہے) اس کو تسلیم کرنے سے عموماً انکار کردیا جاتا ہے، گویا ہر فکر کے لئے ایک ایسے فلسفہ کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، جس کی بنیاد پر سائنٹیفک طریقہ سے اس فکر کو ثابت کیا جاسکے جب تک اس کو سائنسی نقطۂ نگاہ سے دو اور دو چار کی طرح منوا نہ لیا جائے، اس وقت تک لوگ محض عقیدت کی بنیاد پر ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

چونکہ شاہ صاحب اس دور کے مجدد اور قائم الزمان ہیں لہذا دور کی خصوصیات اور اس کی نفسیات سے بخوبی واقف ہیں، اسی چیز کا لحاظ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے سماجی حوالے سے پیش کردہ اپنی عظیم فکری بنیاد، ایک ایسے دینی فلسفہ پر رکھی جو نہ صرف نقلی معیار پر پورا اترتا ہے، بلکہ عقلی معیار کے حوالے سے بھی دنیا بھر کے تمام عقلی اور مادی فلسفوں پر اپنی فوقیت رکھتا ہے اور یہ کوئی محض "عقیدت" کی بنیاد پر نہیں کہا جارہا ہے، بلکہ محض عقلی بنیادوں پر بھی اس فلسفہ کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا جائے تو کوئی سلیم العقل انسان اسکی معقولیت سے انکار نہیں کرسکتا ہے، اس کی حقیقت ایک مسلمہ امر کی سی ہے۔

سماجی حوالے سے شاہ صاحب کا جو فکر آئندہ سطور میں بیان ہوگا اس کی

بنیاد یہ ہے کہ سماجی ترقی کے لئے فرد کے مقابلے میں اجتماعیت کی اہمیت زیادہ ہے، اجتماعی زندگی کی تشکیل کے بغیر سماج کا حقیقی وجود قائم نہیں ہوسکتا، گویا شاہ صاحب کا پورا فکر "اجتماعی وحدت" کے گرد گھومتا ہے اس سے باہر نہیں۔

شاہ صاحب کا فلسفۂ اجتماعیت

سماج کی اجتماعی وحدت کو ثابت کرنے کیلئے شاہ صاحب نے جو فلسفہ دیا ہے وہ مختصراً کچھ یوں ہے کہ یہ پوری کائنات درحقیقت جسم انسانی کی طرح ایک "وحدت" پر مشتمل ہے، اب جس طرح انسانی جسم تین چیزوں پر مشتمل ہے، یعنی (۱) جسم اور روح پر مشتمل اس کا پورا ڈھانچہ۔ (۲) انسانی روح، جو اس کے علم اور ارادے کی مالک ہوتی ہے، (۳) جسم کی وہ مرکزی قوت، جس کی وجہ سے اعضائے جسمانی میں تغیر و تبدل (بچپن سے جوانی، اور بڑھاپے تک) ہوتا رہتا ہے۔

بالکل اسی طرح اس کائنات رنگ و بو کا بھی، روح و جسم پر مشتمل ایک ڈھانچہ ہے، جس کا نام شاہ صاحب کے فلسفہ میں "شخص اکبر" ہے اور دوسری چیز اسکی وہ روح جو اس کے علم و ارادے کی مالک ہے، جس کا نام شاہ صاحب "نفس الکل" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، اور تیسری چیز وہ مرکزی قوت ہے جو مختلف اوقات میں مختلف شکلیں اختیار کرتی رہتی ہے، اسے شاہ صاحب "طبعیت الکل" کہتے ہیں۔

اب جس طرح انسان باوجود مختلف عناصر سے مرکب ہونے کے، ایک جسمانی وحدت رکھتا ہے، اسی طرح ایک خاندان، قبیلہ، شہر، ملک کے رہنے والے افراد باوجود مختلف جسم رکھنے کے، اپنے اپنے مرتبہ میں ایک "وحدت" ہیں، یعنی ان کو وحدت خاندانی، وحدت قبیلی، وحدت شہری اور وحدت ملکی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، پھر اس اجتماعی وحدت کو مزید اوپر لے جائیں، تو کل کائنات تک درمیان میں اور "وحدتیں" بھی آئیں گی اور "کائنات کی وحدت" میں یہ مختلف

"وحدتیں" گم ہوجاتی ہیں۔

اب انسانی جسمانی وحدت پر غور کریں، اس کے مختلف اعضاء ہیں ان میں افعال کا اختلاف ہونے کے باوجود اگر کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے، تو پوری جسمانی وحدت اسے محسوس کرتی ہے، اور اس تکلیف کو دور کرنے کے درپے ہوتی ہے اور اگر انسان کا پورا "جسمانی نظام" خراب ہوجائے، تو دوسرا انسان (یعنی ڈاکٹر اور حکیم) اس کے نظام کو درست کرنے کے لئے مریض انسان سے تعاون کرتا ہے، اگر اس تکلیف کو محسوس نہ کیا جائے، اور اس کی درستگی کے لئے کوشش نہ کی جائے تو چھوٹی سی "وحدت جسمانی" فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔

بالکل یہی حال ان تمام وحدتوں کا ہے جو انسانی جسمانی وحدت، اور کائنات کی وحدت کے درمیان پائی جاتی ہیں، یہ تمام "وحدتیں" اپنے اپنے مقام اور مرتبہ پر اپنے نظام کے خلل کو اگر محسوس نہیں کرتیں اور ان کے دفعیہ کا انتظام نہیں کرتیں تو وہ اپنے وجود کو برقرار نہیں رکھ سکتی ہیں۔

سماجی وحدت کی اہمیت

اب سماج بھی ایک وحدت ہے، جو مختلف افراد کے آپس میں ایک مقام اور ایک جگہ پر اکٹھے رہنے، آپس میں لین دین کرنے سے وجود پذیر ہوتی ہے، اس کا اپنا ایک نظام ہے، اب اس وحدت کا نظام درست بنیادوں پر کام کرتا رہے تو یہ وحدت ٹھیک رہے گی، لیکن اگر اس کے نظام (SYSTEM) میں خرابی پیدا ہوجائے تو اس وحدت کو بھی نقصان ہوگا اور اس طرح سماج کا وجود ختم ہوکر رہ جائے گا۔

اب انسانی سماج میں استعمال ہونے والی "معاشی دولت" کو ہی لیجئے یہ پورے سماج کی رگوں میں خون کی مانند گردش کررہی ہے اب جیسے انسانی خون پورے جسم میں گردش کرتا رہے تو جسم ٹھیک رہے گا لیکن اگر اس کی گردش بند ہوجائے اور کسی عضو کو خون بالکل نہ پہنچے، جبکہ کسی دوسری جگہ خون کی زیادتی

ہوجائے، تو وہ انسانی جسم، بیمار پڑ کر ختم ہوجائیگا، بالکل ایسے ہی سماج کی رگوں میں دوڑنے والا یہ خون یعنی معاشی دولت اگر گردش کرنا بند کردے یعنی سماج کے بعض افراد اس سے محروم رہ کر مفلوج ہوجائیں اور بعض افراد کے پاس زیادہ آجائے اور وہ اس کا ارتکاز کرلیں تو ایسا سماج کبھی بھی زندہ نہیں رہ سکتا، اس لئے جب تک ------- معاشی خون ------- کو پورے سماجی جسم میں گردش میں نہیں رکھا جائے گا، سماجی مسائل حل نہیں ہوسکتے ------ گویا تعاون باہمی ضروری ہے۔

اس طرح سماجی وحدت کو اور جو بھی مسائل لاحق ہونگے ان کو حل کرنے کے لئے تعاون باہمی ضروری ہوگا، آپس کے تعاون کے بغیر سماجی اجتماعی وحدت کبھی بھی ترقی نہیں کرسکتی۔

یہ خلاصہ ہے شاہ صاحب کے اس فلسفہ کا، جس کی بنیاد پر شاہ صاحب نے انسانی زندگی کے تمام مسائل کو حل کیا ہے۔

(ب) ولی اللہی نظام فکر کے بنیادی نکات

شاہ صاحب نے اپنے اس دینی فلسفہ کی بنیاد پر جو نظام فکر تشکیل دیا ہے، اس کے بنیادی اور اساسی نکات درج ذیل ہیں۔

۱- حیات اجتماعی کی اہمیت

انسانی زندگی کا اگر تحلیل و تجزیہ کیا جائے تو یہ بات اس کی فطرت میں داخل معلوم ہوتی ہے کہ وہ اجتماعی زندگی کا خوگر ہے، اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گذارنا ہر انسان کا طبعی تقاضہ ہے، اس کے نتیجہ میں معاشرے کی اجتماعیت اپنی صورت گری کرتی ہے، حیات اجتماعی کی یہی وہ اہمیت ہے، جسے ہر سماج میں بجاطور پر محسوس کیا گیا ہے لہذا یہ بات مشاہداتی طور پر طے شدہ ہے کہ کوئی معاشرہ اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ اجتماعی اداروں کو اجتماعی نقطہ نظر سے نہ چلائے اور اگر کسی معاشرہ کے اجتماعی اداروں میں انفرادی ہوس پرستی کا زہر

سرایت کر گیا، تو اس کی تباہی یقینی ہے۔

شاہ صاحب کے زمانے میں چونکہ خودغرضی پر مبنی انفرادیت کا زہر، پورے معاشرے میں سرطان کی طرح پھیل چکا تھا، اور اسی کی وجہ سے بتدریج، معاشرے کے باقی روگ پیدا ہوتے جارہے تھے، اس لئے شاہ صاحب نے اپنے فکر میں سب سے پہلے، انفرادی ہوس پرستی کی تردید اور اجتماعی زندگی کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، چونکہ شاہ صاحب کی نظر یہ دیکھ رہی تھی کہ انفرادی ہوس پرستی کے نتیجہ میں معاشرہ میں معاشی عدم توازن پیدا ہورہا ہے، جو طبقاتی تقسیم کا باعث بن کر دونوں طبقوں کو دین سے دور لے جارہا ہے، اس طرح اخلاقی قدریں، ختم ہوتی جارہی ہیں، اور جب کسی قوم کے اجتماعی اخلاق تباہ ہوجائیں تو اس کا ٹھکانہ قعرمذلت ہی ہوتا ہے۔

شاہ صاحب کی تمام کتابوں کا مطالعہ کرجائیے، قرآن کے اصول تفسیر سے لے کر سیاست اور معیشت سے متعلقہ ابواب تک کو شاہ صاحب کی مختلف کتابوں میں پڑھ لیجئے جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ "انفرادیت" پر مبنی نظام کے بجائے صالح اجتماعیت کا قائم کیا جانا، وقت کی اہم ضرورت ہے، اس کے بغیر نہ تو دنیا میں ترقی کی راہیں کھل سکتی ہیں، اور نہ اخروی زندگی کی سعادت حاصل ہوسکتی ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"ليس المقصود بالذات فى العناية التشريعية حال فرد بل حال جماعة"

تشریعی امور میں ایک فرد کی حالت مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ (پوری) جماعت کی حالت سامنے رکھی جاتی ہے"(۲۱)

اس سے ثابت ہوا کہ قانونِ الٰہی بھی پوری انسانی اجتماعیت کو سامنے رکھ کر بنایا جاتا ہے، گویا وہ پورے سماج کے اجتماعی تقاضوں کو درست اور احسن طریقہ پر پورا کرنے کا صحیح راستہ بتلاتا ہے۔

۲- حیات اجتماعی کے چار مراحل اور ان کی اہمیت

انسان کی حیات اجتماعی، سماجی سائنس کی رو سے کس طرح ارتقائی مراحل طے کرتی ہے؟ اس سوال کا شاہ صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ جواب دیا ہے، اور بتلایا ہے کہ انسانی زندگی اپنی اجتماعیت کے ارتقاء میں چار مراحل سے گذرتی ہے، یعنی ابتدائی اور دیہاتی زندگی کا مرحلہ، شہری تقاضوں کے حوالے تمدنی نظام، ملکی اور قومی نقطۂ نظر سے سماجی و سیاسی نظام اور آخر میں بین الاقوامی حیثیت سے عالمی نظام کے تمام مراحل انسانی اجتماعیت کا لازمی جزو ہیں، ان سماجی و عمرانی مرحلوں کو شاہ صاحب "ارتفاقات" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور ان چاروں مرحلوں کی تفصیل چونکہ اس مختصر مقالہ کے حیطۂ بیان سے خارج ہے اس لئے اس سے قطع نظر صرف یہ واضح کیا جانا ضروری ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک حیات اجتماعی سے متعلقہ ان ارتفاقات کی کیا اہمیت ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"اعلم ان الرسوم من الارتفاقات هی بمنزلة القلب من جسد الانسان، و ایاها قصدت الشرائع اولا و بالذات الخ

یہ یاد رکھئے! کہ اجتماعی زندگی کی رسوم کو معاشرہ میں وہی حیثیت حاصل ہے جو کہ انسانی جسم میں دل کی حیثیت ہوتی ہے اور دنیا بھر کے قوانین میں اولا اور بذات خود یہی مقصود و مطلوب ہوتی ہیں، اور انہی سے تمام مقدس اور الہی شریعتیں بحث کرتی ہیں، اور انہی کی طرف (مقدس شریعتوں کو لانے والے لوگوں) کو اشارات ہوتے ہیں" (۲۲)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے جہاں اجتماعی زندگی کی اہمیت واضح ہوتی ہے وہاں یہ بات بھی شاہ صاحب بڑے واضح انداز میں بتلانا چاہتے ہیں کہ شریعت الہیہ میں اولا اور بالذات حیات اجتماعی سے متعلقہ رسومات سے ہی بحث کی جاتی ہے اس طرح شاہ صاحب نے عقلی اور نقلی، دونوں طریقوں سے اجتماعی زندگی کی اہمیت کو واضح کیا ہے، تاکہ انفرادی ہوس پرستی کا جو زہر معاشرہ میں پھیل چکا

ہے اس کا خاتمہ ممکن ہوسکے۔

۳۔ معاشی عدم توازن کے خاتمہ کے لئے تعاون باہمی کا اصول

معاشرہ کی اجتماعی ساخت کو توڑنے کے نتیجہ میں جو معاشی عدم توازن پیدا ہوجاتا ہے، اس کا خاتمہ کئے بغیر کوئی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا، اس لئے شاہ صاحب نے اپنے فکر میں معاشی عدم توازن کو ختم کرنے پر بہت زور دیا ہے، تاکہ دولت مند ظلم و استحصال کرکے دنیا و آخرت میں تباہ و برباد ہونے سے بچے، اور غریب غریب تر نہ بنادیا جائے، یہاں تک کہ وہ بھی اخلاقیات کو ترک کرنے پر مجبور ہوجائے، شاہ صاحب کے نزدیک معاشیات کو "تعاون باہمی" کے اصولوں پر استوار ہونا چاہیئے، معاشرے کے تمام افراد ایک کنبہ کی مانند ہیں، اور ایک گھر کے افراد کی طرح انہیں ایک دوسرے کے ساتھ "تعاون باہمی" کے اصولوں پر معاملہ کرنا ضروری ہے، اور جو سرمایہ دار یا جاگیردار انسانی مساوات و تعاون کے اس اصول کو توڑے اس کے خلاف جدوجہد کو شاہ صاحب ضروری قرار دیتے ہیں، چنانچہ تعاون باہمی کے اصول کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"والواجب فيما بين الناس ان يقيموا مصلحة التاليف و التعاون"

باہمی تعلقات کے حوالے سے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ آپس میں الفت اور تعاون باہمی کی مصلحت (اصول) کو پیش نظر رکھیں

ولا يؤذى احدَ احدا الا اذا امر به الرأى الكلى

کوئی آدمی دوسرے کو ہرگز تکلیف نہ دے سوائے اس صورت کے کہ کوئی اجتماعی تقاضہ پورا کرنا ضروری ہو"(۲۳)

شاہ صاحب نے اس عبارت میں جہاں "تعاون باہمی" کے اصول کی اہمیت خوبصورت پیرائے میں بیان کی ہے وہاں سماجی زندگی میں اجتماعی

تقاضوں کی اہمیت بھی واضح طور پر اجاگر کی ہے۔

۴۔ اقترابات کی ضرورت

شاہ صاحب کے نزدیک جب کسی معاشرہ کا معاشی نظام درست بنیادوں پر استوار ہوجاتا ہے، یعنی معاشرے کا کوئی فرد نہ تو معاشی مجبوریوں میں مبتلا ہو اور نہ اسراف اور فضول خرچی کی عیاشیوں میں منہمک ہو، تو پھر ہر فرد کے لئے دین پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے، ان حالات میں ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ معاشی نقطہ نگاہ سے اپنی ضروریات زندگی پورا کرنے کے بعد اتنا وقت ضرور نکالے کہ جس میں وہ رضائے خداوندی کے حصول کے لئے اپنی روح کا تعلق خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم کرلے عبادات میں کوتاہی نہ کرے اور تقرب الٰہی کے حصول میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے، آخرت کی فکر اپنے اندر پیدا کرے تاکہ اس کے اخلاق میں نکھار پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ اخروی سعادت کا سزاوار ہو ان سب چیزوں کا نام شاہ صاحب کی اصطلاح میں "اقترابات" ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک دین کی دو ہی بنیادیں ہیں (۱) خدا پرستی یعنی خدا تعالیٰ کو راضی کرنا، (۲) انسانیت دوستی یعنی انسانیت کی خدمت پر مبنی ایک ایسا نظام تشکیل دینا کہ جس میں پوری انسانیت امن وسکون کی زندگی بسر کرسکے۔

۵۔ مذہبی اخلاقیات اور معاشی اخلاقیات کا باہمی تعلق

ایک اور حقیقت جسے شاہ صاحب کسی بھی سماج کی ترقی میں بنیادی حیثیت دیتے ہیں وہ یہ کہ انسانی زندگی میں اخلاقیات کا دارومدار اس معاشرتی ماحول اور گردوپیش کے ان سماجی حالات پر ہوتا ہے، جو کوئی سماج، انسانی فرد کو بحیثیت مجموعی فراہم کرتا ہے، سماج کا مجموعی ماحول جس قسم کی اخلاقیاتی اقدار کا حامل ہوگا فرد کی شخصیت پر اس کی گہری چھاپ موجود ہوگی۔ انسانی زندگی کے کردار پر معاشرتی ماحول کا دباؤ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں

اس لئے جب تک سازگار ماحول پیدا نہ ہو، فرد کی مکمل اصلاح ناممکن ہے۔ محض وعظ و نصیحت اور اصلاحی لیکچروں سے کسی فرد کو زیادہ دیر تک درست نہیں رکھا جاسکتا۔ جب تک کہ ساتھ ہی ویسا بہترین ماحول نہ فراہم کیا جائے، محض علوم و افکار کی باتیں اثر انداز نہیں ہوتیں، چنانچہ اخلاقی حوالے سے معاشرتی ماحول کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"انما الاخلاق بالاحوال لا بالعلوم" انسانی زندگی میں اخلاق صرف (اچھے) ماحول کے ذریعہ ہی پیدا کیے جاسکتے ہیں، محض علوم و نصائح کی بنیاد پر کسی فرد میں اچھے اخلاق نہیں پیدا کیے جاسکتے" (۲۴)

پھر ایک اور حقیقت کی نشان دہی بھی شاہ صاحب نے فرمائی ہے کہ انسان کی اخلاقی اقدار کے بگاڑ میں معاشی ابتری اور اقتصادی تنگدستی کا ماحول خاص طور پر اثرانداز ہوتا ہے، معاشی نظام کی خرابی، انسانی اخلاقیات کا دیوالیہ نکال دیتی ہے۔ اور اس سے ایسی حماقتیں سرزد ہوتی ہیں جو انسانیت کے نام پر کلنک کا ٹیکہ بن جاتی ہیں، چنانچہ اس حقیقت کو شاہ صاحب یوں واضح فرماتے ہیں۔

"کل غباوة و سوء خلق فانما ینشاء من سوء التدبیر فی الاکل و سائر التدبیرات (ای النظامات) و کل ذکاء و حسن خلق و لطف انما ینشاء من صحة التدبیر"

انسانی زندگی میں ہر طرح کی حماقتیں اور بداخلاقیاں، صرف معاشی نظام کی خرابیوں سے پیدا ہوتی ہیں اور ہر طرح کی ذہانت اور عمدہ اخلاق صحیح معاشی نظام کی وجہ سے ہی وجود میں آتے ہیں" (۲۵)

اسی لئے شاہ صاحب سماجی زندگی کے فطری ارتقاء کے لئے یہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ وہاں ایسا عملی نظام قائم کیا جائے کہ جن سے محض مذہبی اخلاقیات کی درستگی کا ہی فائدہ نہ ہو، بلکہ معاشی اخلاقیات بھی درست ہوں تاکہ ظالمانہ معاشی نظام کی منفی اخلاقی اقدار سے نجات یا ناممکن ہوجائے، اور دوسری طرف وہ اس چیز

کو بھی درست نہیں سمجھتے کہ محض معاشی و اقتصادی خوشحالی پر ہی زور دیا جائے، اور اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال دیا جائے سماج کی بحیثیت مجموعی فطری ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں کی اہمیت کو بجاطور پر محسوس کیا جائے چنانچہ فرماتے ہیں:

"احسن الرسوم ما صلح به الاخلاق و انواع الارتفاق"

سب سے بہترین طور طریقے وہ ہیں کہ جن سے اخلاق بھی درست ہوں اور معاشی ارتفاقات بھی صحیح بنیادوں پر قائم ہوجائیں" (۲۶)

غرض کہ شاہ صاحب نے اپنی کتابوں میں جابجا اس حقیقت پر زور دیا ہے کہ مذہبی اخلاقیات (اقترابات) کے ساتھ معاشی اخلاقیات (ارتفاقات) کا درست ہونا از بس ضروری ہے، اور یہ کہ دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ان میں سے کسی ایک کا محدود تصور سماجی ڈھانچہ کی ترقی کے لئے انتہائی مضر اور نقصان دہ ہے، مجموعی ترقی کے لئے دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

۶- انسانیت کے طبعی تقاضوں کی اصلاح کے چار طریقے

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسان ملکوتی روح اور حیوانی جسم دو چیزوں سے مرکب ہے، دونوں میں اعتدال اور امتزاج پیدا کرنا اشد ضروری ہے، محض ملکوتی صفات کی طرف جانا بھی، انسانی طبعی تقاضوں سے انحراف ہے، اور محض حیوانی خصلتوں پر زندگی کو گزارنا بھی انسانیت کے منافی ہے، یہی وجہ ہے کہ طبعی تقاضوں کی اصلاح کے لئے شاہ صاحب نے چار طریقے لکھے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) طہارت

ہر انسان فطری طور پر پاک و صاف رہنا چاہتا ہے، یہ اس کی فطرت اور طبعیت کا ایسا تقاضہ ہے کہ جسے ہر انسان اپنے اندر محسوس کرتا ہے، اس لئے اپنے فطری تقاضے کے تحت ہر انسان کا روحانی اور جسمانی طور پر ہر قسم کی فکری اور عملی گندگی سے پاک ہونا ضروری ہے۔

(۲) اخبات للہ تعالیٰ

ہر انسان طبعی طور پر کسی نہ کسی طاقت اور قوت کے سامنے اپنے عجز کا اظہار ضرور کرتا ہے، حتی کہ غیر مذہبی آدمی بھی اپنی مادی زندگی میں کسی نہ کسی چیز کے سامنے عاجز آجاتا ہے اور اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہوتا ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب یہی حقیقت ہے تو پھر محدود اور سطحی چیزوں کے سامنے جھکنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے سامنے اپنی عاجزی اور خشوع و خضوع کا اظہار کیا جائے، کیونکہ وہی ذات ہمارے وجود سمیت اس پوری کائنات کی خالق اور پالنے والی ہے۔

(۳) سماحت

ہر انسان طبعی طور پر معاشرہ میں ایک باوقار زندگی بسر کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی عزت کریں اور احترام سے پیش آئیں اس لئے ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی ایسے سلیقہ سے گذارے کہ اس میں سخاوت صبر و شکر عفت و عصمت وغیرہ اخلاق حسنہ بخوبی محسوس کئے جاسکتے ہوں، پھر اس میں آسائش پسندی کی بجائے "جدوجہد" اور درست طریقوں سے آگے بڑھنے کا مثبت جذبہ بھی موجود ہو، انتقامی جذبات اور حرص و بخل وغیرہ کو ترک کردے۔

(۴) عدالت

ہر انسان طبعی طور پر اپنے ساتھ ظلم کو برداشت نہیں کرتا، بلکہ چاہتا ہے کہ اس کے حقوق بغیر کسی استحصال کے اسے ملنے چاہئیں اب پورے سماج میں مجموعی طور پر ہر ایک کو اس کا حق یکساں طور پر ملنا ضروری ہوا اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ہر انسان میں عدل کا مزاج ایسے طریقے سے راسخ ہوجائے کہ وہ خاندانی زندگی سے لیکر ملکی و ملی زندگی تک میں عدل کو نافذ کرنے کی جدوجہد کرے، تاکہ پورے معاشرے کے لوگ عدل و انصاف کے ساتھ اپنے حقوق حاصل کریں، اور

پورا معاشرہ سیاسی، معاشی حوالے سے ترقی کرے، چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں:
"سیاسی اور اجتماعی نظاموں کی روح رواں یہی "عدالت کا وصف ہے" (۲۷)

۷۔ دین میں اجتماعی سیاست کی اہمیت

شاہ صاحب کے زمانہ میں جہاں اور فتنے تھے یہ بھی ایک فتنہ پیدا ہوچلا تھا کہ بعض جماعتیں اور گروہ زہد و عبادت اور دوسرے مذہبی امور میں مشغول ہو کر قومی و اجتماعی زندگی میں سیاست کی اہمیت سے انکار کر رہے تھے، اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کے ذریعہ ملکوتی (فرشتوں کی سی) صفات (غیر سماجی زندگی) اختیار کرنے کا مشورہ دینے پر لگے ہوئے تھے، ان کے زعم باطل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ قومی سیاست میں حصہ لینا، دین و شریعت کے خلاف ایک ایسا عمل ہے کہ جس سے دور رہنا انسانیت کے کمالات میں سے ہے، چنانچہ شاہ صاحب نے "دین" کے اس مسخ شدہ تصور کی تردید فرمائی، اور یہ واضح کیا کہ دین انسانی زندگی کے لئے ایک ایسا جامع تصور پیش کرتا ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق یکساں طور پر راہنمائی فراہم کرتا ہے، قومی اور ملی سیاست کا اصول دین کے بنیادی اور اساسی اصولوں میں شامل ہے، بلکہ تمام ادیان حقہ اور شریعتوں میں اس کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

"ان تفاصیل اسرار الشرائع ترجع الی اصلین مبحث البر و الاثم و مبحث السیاسات الملیة"

تمام شریعتوں کے اسرار و رموز کی تمام تر تفصیلات دو اصولوں پر مبنی ہیں، (۱) نیکی اور بدی کا اصول (۲) قومی اور ملی سیاست کا اصول" (۲۸)

گویا تمام مذاہب اور شریعتوں کے دو بنیادی مقاصد تھے، (۱) معاشرے میں نیکی اور بدی کے امتیاز کا وصف پیدا ہوجائے تاکہ وہ بحیثیت مجموعی خرابیوں اور برائیوں سے دور رہے، اور اچھائیوں اور خوبیوں کو اپنائے، (۲) سماجی زندگی کی صحیح تہذیب و تنظیم کے لئے قومی اور ملی سیاست کو فروغ دیا جائے، تاکہ

بہترین سیاسی نظام میں لوگ امن و چین کی زندگی بسر کریں، انہی دو اصولوں کی تشریح و تفصیل شاہ صاحب نے "حجتہ اللہ البالغہ" میں کی ہے، بلکہ ایک مستقل تصنیف "ازالتہ الخفاء" اسی سیاسات کے موضوع پر قلمبند فرمائی، جس میں خلافت و حکومت کے موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔

۸۔ تبدیلیٔ نظام کا انقلابی تصور

کوئی مفکر، جب سماجی مسائل کے حوالے سے نظریاتی بنیادوں پر ایک مکمل فکری نظام پیش کرتا ہے، تو اس نظام کو اس وقت تک پوری طرح نافذ نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ پہلے سے رائج شدہ بوسیدہ اور فرسودہ نظام کو ختم نہ کیا جائے، اس لئے کہ جب کوئی چیز فرسودہ ہوجاتی ہے تو وہ اصلاح و ترمیم کے قابل نہیں رہتی اس کی اصلاح میں وقت ضائع کرنا فضول ہے۔

اس لئے شاہ صاحب نے بھی اس چیز کو اپنی فکر میں بنیادی حیثیت دی ہے اور "فک کل نظام" "ہر بوسیدہ نظام کو توڑ ڈالو" کے اصول پر انقلاب کی دعوت دی ہے۔ یعنی جب ملک کا داخلی نظام غلط بنیادوں پر ڈھلنا شروع ہوجائے اور اس میں فکری اور عملی طور پر فساد پیدا ہوجائے اور اس طرح وہ انسانیت کے لئے مضر ہوجائے تو اس کے خلاف انقلاب لانا انسانیت کو ایک بڑی مصیبت سے چھٹکارا دلانا ہے، چنانچہ حضرت مولانا علی میاں صاحب شاہ صاحب کے اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شاہ صاحب نے اس بات کا (خاص طور پر) لحاظ کیا کہ ہندوستان کے شاہی خاندان اور مغلیہ سلطنت کے عروج کی دوبارہ کوئی امید نہیں ہے، اس لئے کہ بقول علامہ ابن خلدون "جب کسی حکومت کا (نظام) کمزور ہو کر زوال پذیر ہوجائے وہ دوبارہ ٹھیک نہیں ہوسکتا"

فلافائدة من بذل الجهود فی اصلاحها و تضییع الوقت فی تقویتها و لابد من اعداد جماعة تحدث انقلابا اسلامیا"

(شاہ صاحب نے محسوس کیا) کہ مغلیہ سلطنت کی اصلاح کی جدوجہد میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس کو مضبوط کرنا، وقت کا ضیاع ہے بلکہ اس کے بجائے ایک ایسی انقلابی جماعت تیار کرنی ضروری ہے جو دینی انقلاب پیدا کرے" (۲۹)

موجودہ حالات میں شاہ صاحب کا نظریہ "فک کل نظام" بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہمارے آج کے مسائل کے حوالے سے اس کے اطلاقات کیا ہیں؟ اور کن کن جہتوں میں شاہ صاحب کا یہ نظریہ ہماری راہنمائی کرتا ہے، اس کے لئے راقم کے مقالہ جات "نظام کیا ہے" "تبدیلی نظام کا ولی اللہی تصور" "تبدیلیٔ نظام کیوں اور کیسے" ملاحظہ فرمائیں۔ جو شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن نے شائع کئے ہیں۔

۹- جہاد کی اہمیت

اندرون ملک نظام کی تبدیلی کی جدوجہد کے لئے جہاں انقلابی جماعت کی تیاری ضروری ہے وہاں یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ غیر ملکی انگریز سامراج کا مقابلہ کرنے کے لئے "جہاد" کی بڑی اہمیت ہے لہذا شاہ صاحب نے اس پس منظر میں "جہاد" کی ضرورت پر کافی کچھ لکھا، اور اس کے فوائد اور منافع کا ذکر اپنی کتابوں میں جابجا کیا ہے۔ شاہ صاحب نے محسوس کیا کہ آج مسلمانوں کی تنزلی کی ایک اور بڑی وجہ عملی طور پر جہاد کرنا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"جہاد کے فضائل چند اصولوں پر مبنی ہیں ان میں ایک اصول یہ ہے کہ جہاد کرنا حق تعالیٰ کی تدبیر اور اس کے الہام کی موافقت کرنا ہے، پس اس کو پورا کرنے کی کوشش کرنا، رحمت کے شامل حال ہونے کا سبب ہے، اور اس کو باطل کرنے کی کوشش کرنا، لعنت کی شمولیت کا سبب ہے، اور اس زمانہ میں اس سے الگ ہو کر بیٹھنا بہت بڑے نفع کو ضائع کر دینے کے مترادف ہے" (۳۰)

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں "الجہاد" کا مستقل عنوان قائم کر کے اس کی اہمیت اور فضائل بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں یہ اس لئے کہ شاہ صاحب محسوس کر رہے تھے کہ اگر آج مسلم امت "جہاد" کو عملی طور پر اپنا لیتی ہے، تو

غیر ملکی سامراجی طاقتیں کبھی بھی ہم پر مسلط نہیں ہوسکتی ہیں۔ اس طرح انگریز سامراج کی لوٹ کھسوٹ اور استحصال کو روکا جاسکتا ہے اور اپنی حریت اور آزادی کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

خلاصۂ بحث

ولی اللہی نظام فکر کے حوالے سے گزشتہ سطور کی ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

۱۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے سماجی و اجتماعی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے ایک بہترین نظام فکر پیش فرمایا، اور اس سلسلے میں انہوں نے کائنات میں حرکت پذیر عالم گیر نظام وحدت کی حقیقتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے انسانی سماجی وحدت کے لئے ایک جاندار اور مثبت فلسفۂ اجتماعیت پیش فرمایا۔

۲۔ انسانی زندگی میں حیات اجتماعی کی اہمیت پر زور دیا تاکہ معاشرے سے انفرادی مفاد پرستی کے زہر کا خاتمہ کیا جاسکے۔

۳۔ حیات اجتماعی کے چار ارتقائی مراحل کا ذکر کرکے اجتماعیت کی اہمیت اور اس کے تنوع کو مزید اجاگر کیا۔

۴۔ انسانی اجتماعیت کو تباہ کرنے والے استحصالی معاشی نظام کی جگہ ایسے معاشی نظام کا خاکہ پیش فرمایا، جس کا بنیادی اصول "تعاون باہمی" ہے اور اس کو بڑی وضاحت کے ساتھ اپنی مختلف کتابوں میں بیان فرمایا، تاکہ معاشی عدم توازن کو ختم کرکے معیشت کو مثبت بنیادوں پر استوار کرنے میں مدد ملے۔

۵۔ انسانی معاشرے کا خالقِ کائنات کے ساتھ ربط و تعلق اور قرب الٰہی کی ضرورت اور اہمیت کو اجاگر کیا اور عبادات کی حکمتوں اور فائدوں کا تفصیل سے تذکرہ فرمایا۔

۶۔ مذہبی اخلاقیات اور معاشیات و اقتصادیات کے باہمی ربط کی اہمیت واضح فرمائی۔

۷۔ انسانیت کے فطری اور طبعی تقاضوں کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے ان کی اصلاح کے چار طریقوں کی وضاحت فرمائی۔

۸۔ سماجی زندگی میں قومی اور ملی سیاست کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

۹۔ فرسودہ اور غلط نظام کے خلاف تبدیلیٔ نظام کا انقلابی تصور واضح کیا۔

۱۰۔ غیر ملکی سامراجی قوتوں کے خلاف "جہاد و انقلاب" کی اہمیت کو بڑی شدت کے ساتھ واضح کیا چنانچہ آپ کے جانشینوں نے اس اصول پر عمل کر کے انگریز کے خلاف کامیاب جنگ آزادی لڑی۔

یہ دس نکات ایسے ہیں کہ جن سے امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی کے نظام فکر کا ایک اجمالی خاکہ ہمارے سامنے آجاتا ہے گویا یہ اس عظیم فکر کی اجمالی تصویر ہے جو شاہ صاحب نے دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسانی معاشروں کی درستگی کے لئے پیش فرمائی ہے، یہ فکر صرف اس حیثیت سے ہی اہمیت کا حامل نہیں کہ اس کے پس پشت ایک بہترین اور جاندار فلسفۂ اجتماعیت کارفرما ہے، بلکہ اس حوالے سے بھی کہ اس کے اصول و نکات آج بھی اس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ انہیں نظرانداز کر کے کسی بھی معاشرہ میں صحیح سمت میں تبدیلی پیدا کرنا ایک دشوار امر ہے۔

آخری گذارش

آج جبکہ ہم اپنے معاشرے میں گونا گوں سیاسی اور سماجی مسائل کا شکار ہیں اور ہمارے معاشی و اقتصادی، سیاسی و سماجی نظام میں تقریباً وہی خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں، جن کی نشاندہی شاہ صاحب نے فرمائی ہے، بلکہ آج صورتحال اس سے بھی بڑھ کر ہے، اندریں حالات ہمارا فریضہ بن جاتا ہے کہ شاہ صاحب کے ان افکار سے راہنمائی حاصل کریں اور ان افکار کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگائیں، اور اس دینی فکر کی روشنی میں، اپنے آپ کو منظم کر کے، موجودہ ظالمانہ مادی نظام کے خلاف اپنا کردار ادا کریں، اور یوں ہم اپنے دور کے اس فرض کو پورا کریں جو

موجودہ حالات کی وجہ سے ہم پر عائد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہوگا۔

و ماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

حوالہ جات

۱) سنن ابی داود، کتاب الملاحم ص ۵۸۹ ج ۲ مطبوعہ کراچی
۲) تفہیمات الہیہ، تفہیم نمبر ۱۵، ص ۵۴ ج ۱ مطبوعہ حیدر آباد
۳) ایضاً تفہیم نمبر ۴۲، ص ۶۰ ج ۲
۴) حجتہ اللہ البالغہ، باب سیاست المدینہ، مبحث ثالث ص ۹۴ ج ۱ مطبوعہ قاہرہ
۵) حوالہ بالا، باب اقامتہ الارتفاقات و اصلاح الرسوم ص ۲۲۱ ج ۱
۶) حوالہ بالا ص ۹۴ ج ۱
۷) ایضاً ص ۲۲۱ ج ۱
۸) ایضاً
۹) حوالہ بالا باب الفتن ص ۸۷۸، ۸۷۹ ج ۲ مطبوعہ مصر
۱۰) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مکتوب نمبر ۲۰ ص ۴۰ مطبوعہ لاہور
۱۱) ایضاً مکتوب دوم ص ۱۱
۱۲) ایضا ص ۱۲۔
۱۳) ایضا ص ۱۱
۱۴) تفہیمات الہیہ ص ۲۸۳، ج ۱ مطبوعہ حیدر آباد
۱۵) سیاسی مکتوبات مکتوب نمبر ۷ ص ۲۳
۱۶) روئداد برصغیر ص ۳۴ مطبوعہ لاہور
۱۷) شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک ص ۱۴، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۲ء
۱۸) سیاسی مکتوبات ص ۱۹
۱۹) تفہیمات الہیہ ص ۲۱۱، ج ۲
۲۰) الجزء اللطیف، بحوالہ التمہید لتعریف ائمہ التجدید ص ۱۱۵ مطبوعہ حیدر آباد
۲۱) حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۴۶ ج ۱ مطبوعہ قاہرہ

۲۲) حوالہ بالا ص ۱۰۳ ج ۱
۲۳) حوالہ بالا ص ۱۹۰ ج ۱
۲۴) البدور البازغہ ص ۵۰ مطبوعہ حیدر آباد
۲۵) حوالہ بالا ص ۱۷
۲۶) حوالہ بالا ص ۱۱۸
۲۷) ہمعات ص ۲۰۸
۲۸) حجتہ اللہ البالغہ ص ۲۲ ج ۱ مطبوعہ قاہرہ مصر
۲۹) مقالہ "تاریخ الاسلام فی الہند" مطبوعہ مجلہ "البعث" بحوالہ مقدمہ حجتہ اللہ مطبوعہ مصر
۳۰) حجتہ اللہ البالغہ، باب الجہاد ص ۷۸۶ ج ۲ مطبوعہ مصر